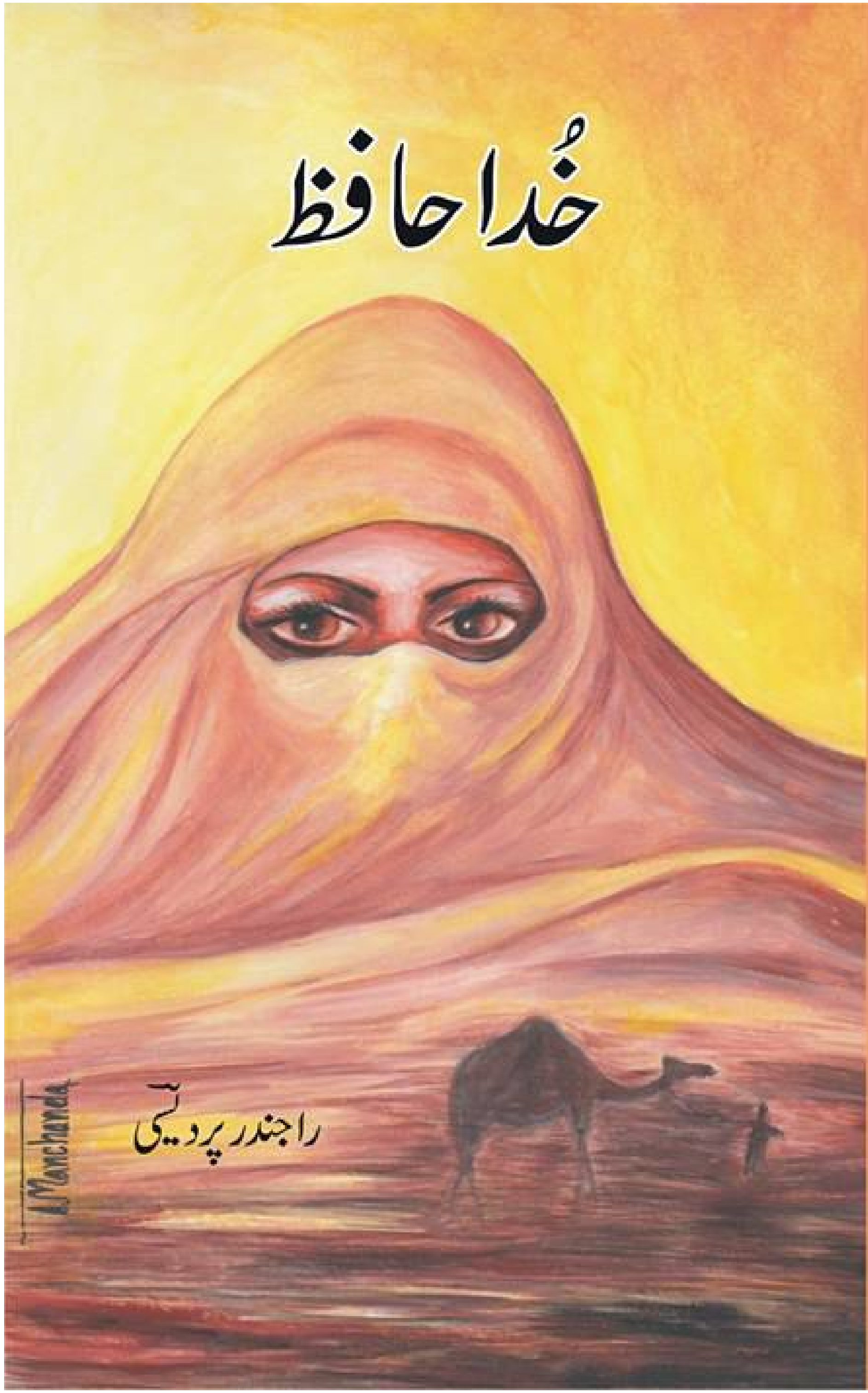

خُدا حافظ

راجندر پردیسی

دل کی ہی منوا رہی ہے زندگی
کیا مصیبت ڈھا رہی ہے زندگی
تیرے گھر سے دور ہوتا جاؤں ہوں
دور ہوتی جا رہی ہے زندگی

ISBN 969931123-1
9 789699 311239
Rs. 300
Rozan Publishers
Rozan Building, Railway Road, Gujrat
Mob: 0300 9625108

خُدا حافظ

راجندر پردیسی

مُصنف کی دیگر کتابیں

1۔ اَکھرا کھر تنہائی (پنجابی)

2۔ نغمہ اُوداس ہے (پنجابی)

3۔ اُدریویں دی ٹُکل (پنجابی)

4۔ گونگی رُت دی پیڑ (پنجابی)

5۔ گیت کرن عرضوئی (پنجابی)

6۔ وِتھ (پنجابی)

زیرِطباعت

1۔ رنگ سمندروں پاردے (سفرنامہ۔ پنجابی)

جملہ حقوق بحق مصنّف محفوظ ہیں

خُدا حافظ

مجموعۂ کلام خدا حافظ

شاعر راجندر پردیسی (جالندھر)

اشاعت 2016ء

تعداد 500

قیمت 300/=

پرنٹر روزن پرنٹرز (گجرات)

ناشر ورلڈ پنجابی فورم، روزن ادبی فورم، پاکستان

KHUDA HAFIZ

Poetry

Rajinder Pardesi

jalandhar (Pb.) India

Emaii- [illegible]

E MAIL

rajinder.pardesi7@gmail.com

ph. 0091 9357641552

تبدیلی رسم الخط سردار پنچھی

ٹائٹل اینڈ آرٹ ورک

تیجندر منچندہ

Email-Manchanda_arts@live.fr

Mob. 0033 643710273

اِنتساب

عالمی شہرت یافتہ کہنہ مشق شاعر جناب گلزار صاحب

اور

اپنی موسیقی اور شریں آواز سے غزل کو جاویدانی

بخشنے والے گلوکار جناب غلام علی کے نام

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون		نمبر شمار	مضمون	
1۔	انسانی احساسات کا شاعر۔	7	19۔	کتنا حسین موسم کتنا اداس	49
2۔	کہاں وہ نقش کہیں چھپنے	15	20۔	اُس رات کی باتیں کر	51
3۔	پل میں روٹھنا اور منانا	17	21۔	ہو گی یقیناً روشنی تو دل	53
4۔	سمندر پار کی چٹھی	19	22۔	دل کی ہی منوا رہی ہے	55
5۔	جن باغوں میں....	21	23۔	نیلے پیلے لال سب دیکھے	57
6۔	پھولوں کو پتھر لکھتے ہو	23	24۔	اُنہیں کو گلبدن دے دے	59
7۔	یادوں کے خنجروں...	25	25۔	چاہے اپنا آپ لُٹاتے آئے ہیں	61
8۔	زمانہ ہے پتھر ہے پتھر خُدا	27	26۔	کبھی وہ غمزدہ جیسے کبھی	63
9۔	آندھی طوفاں اور تباہی	29	27۔	جس کے غم کے بھر بھر پئے تھے	65
10۔	حُسن ہے نہ پیار	31	28۔	ہمیشہ یاد رکھو گے	67
11۔	حادثوں کی بھیڑ تھی	33	29۔	تیرے کوچے سے جو گذرتا ہے	69
12۔	پردیس میں چلے ہو.....	35	30۔	بہت دلکش لگے ہم کو	71
13۔	جگر جس کا وشال ہوتا ہے	37	31۔	پھر اُس رات کی باتیں کر	73
14۔	لکھ سکے گر و یا نگنوں کے	39	32۔	کرے تیرے نگر کو کس طرح اب	75
15۔	عشق میرے کا دلوتا ہوتا	41	33۔	وہ کہہ رہا ہے مجھے	77
16۔	رنگ پریوں نے پھول	43	34۔	شہر تیرے یہ گاؤں میرے ہیں	79
17۔	کبھی دل پہ برسے تُو بن	45	35۔	ہوا کو چیر کر راہیں بنانے	81
18۔	بے خبر خواب تھی یہ زندگی	47	36۔	یاد آتی ہے پُرانی رات بھر	82

نمبر شمار	مضمون	
37-	آنکھوں میں اشک	83
38-	میں جوڑتا ہوں ہر دم	85
39-	عشق جو انساں کرتا ہے	86
40-	میں کیسے مان لوں یہ زندگی	87
41-	جوبن کے چاند چمکے تھے	88
42-	بہت سی گوری وہ راتیں	89
43-	چلے جو مجھ کو تڑپا کر چلو اچھا	90
44-	پوچھوں بھی کس سے گم گئی	91
45-	یہ بندے سو رنگے تیرے	93
46-	اِن کے ٹکڑے مت بنانا	95
47-	بہت ہنستے ہنساتے تھے	97
48-	طوطی بولے سرکارے در	99
49-	ہو بدمزاج موسم ہرگز جلانہ	101
50-	یہاں سچ کہنے سے جو بھی کترا	103
51-	اُڑتے پنچھی کا ٹھکانا یہ نہیں	105
52-	دور ہے یا قریب ہے مولا	107
	گیت	
53-	تھارا باجو پہ لکھائی پھروں	110
54-	تھارا روپ ہے بلے بلے	112
55-	گیت کریں عرضوئی	114
56-	رنگ بڑے بلوان	117
57-	پلہ چھڑا کے نہ جا	119
58-	عافت جیسا حال رے جوگی	122
	نظمیں	
59-	مجھے تو یہ معلوم تھا	125
60-	اداس نغمہ	127
61-	خط	129
62-	الزام	132
63-	بے نام رشتہ	134
64-	قسم	136

انسانی احساسات کا شاعر۔ پردیسی

شاعری کی کئی اصنافِ سُخن ہیں جن میں کلام لکھا جاتا ہے۔ اصنافِ سُخن رس کے آئین کے مطابق ہی طے کی گئی ہیں۔ اس لئے ہر ایک رس اپنی عزیز صنف میں اپنے وصف اور تاثیر کی ترجمانی کر کے قاری اور سامع کے دِل و دماغ پر اپنا پُر معنی اثر ہمیشہ کے لئے قائم کر دیتا ہے۔ اس طرح شاعر مُصنف اور اس کے ذریعے اپنے خیالات قاری اور سامع تک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کام میں استعمال کی گئی زبان بھی اپنی اہمیت رکھتی ہے۔ زبان ترجمانی کا مضبوط ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس کے لفظ محاورے اور تشبیہات کسی دوشیزہ کے یار شنگار کا کام کرتے ہیں جو اُس کے حُسن کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔

شاعری کی اصنافِ سُخن میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز مُصنف غزل ہے۔ آج کے دور میں غزل قارئین اور سامعین میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز ہے۔ اس کی وجہ اس صنف کا دائرہ بے کراں ہونا ہے۔

غزل کی جائے پیدائش ایران ہے۔ درا خیبر کے راستے ہندوستان میں داخل ہونے والے حملہ آوروں کے ساتھ ہی یہ غزالہ بھی ہندوستان میں آ گئی۔ اِس کی چال ڈھال دلکش تھی۔ پھر دیکھتے دیکھتے ہی اس دوشیزہ نے اپنے آپ کو بالکل ہندوستانی رنگ میں رنگ لیا اور یہ ہندوستانی ادب کی بھی خوشنما صنف بن گئی۔

غزل فارسی زبان میں لکھی جاتی تھی۔ ہندوستان میں اس نے مقامی زبانوں پر بھی اپنا رنگ جما لیا اور اب یہ صنف ہندوستان کی بہت سی زبانوں میں لکھی جا رہی ہے۔

غزل لکھنے کے لئے اِس کے عروض کے قوائد کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ اِس کو اِس صنف کا مُشکل پہلو کہا جا سکتا ہے لیکن یہ پہلو مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ تمام ہندوستانی ادب کی

اصنافِ سُخن موسیقی پرمبنی ہیں۔ اِس لئے غزل کو مشکل صنف نہیں کہا سکتا۔ بلکہ دوسری اصنافِ سُخن کی طرح غزل کے عروض کے جو قاعدے ہیں۔ اُن کو آسانی سے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ اُردو غزل ہندوستان میں بہت مقبول ہے لیکن دوسری زبانوں میں لکھی جارہی غزل بھی ہر دِل عزیز ہے۔ ہندی زبان میں کہی جارہی غزل کا اپنا ہی رنگ ہے۔ ہندی غزل میں موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یہ حُسن عشق ناز نخرے اور اس سے متعلق مضامین سے ہٹ کر اب انسانی زندگی اور معاشرے کے مختلف مسائل غزل کے موضوعات ہو چکے ہیں ۔ یہ ہندی غزل کا ایک قابلِ ذکر پہلو بھی ہے۔

ہندی میں غزل لکھنے والے شعرا کی فہرست بہت طویل ہے اور دِن بدن اور طویل ہوتی جارہی ہے۔ اِس کو ایک اچھا شگن کہا جاسکتا ہے۔ اب ہندی غزل لکھنے والوں میں ایک اور نام شامل ہوگیا ہے جس کو پنجابی غزل کاروں کی صفِ اوّل میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہے۔ یہ نام جناب راجندر سنگھ پردیسی کا ہے۔

میں گذشتہ تیس سالوں سے اِنہیں جانتا ہوں۔ اِن کا کلام دیش بدیش میں شائع ہونے والے پنجابی رسالہ جات میں برابر شائع ہوتا ہے۔

راجندر پردیسی پنجابی کے ساتھ ساتھ ہندی میں غزل لکھتے ہیں۔ غزل کے ساتھ ساتھ وہ نظمیں اور گیت بھی لکھتے ہیں۔ جنہیں قاری اور سامع بہت پسند کرتے ہیں۔

راجندر پردیسی کی غزلوں میں مضمون کا نیا پن ایک وصف کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اِن کے موضوعات انسانی دِل و دماغ کے احساسات سے لبریز ہوتے ہیں۔ زمین سے آسمان تک محوِ سفر اِن کے موضوعات معاشرے کے لئے باعث تسکین اور باعث فخر بھی ہیں۔ آیئے ان کے چند اشعار سے آغاز کریں۔

؛ مُوکھوں کی آواز سُنائی دے کیسے
راج بھون میں ڈھول بجائے جاتے ہیں

اجگر کو لکھتے ہو رسّی
رسّی کو اجگر لکھتے ہو

تیری نگری جیسا بھی ہو اپنے آنگن میں تو
زخمی بادل زخمی بارش لے کے آیا ساون

راجندر پردیسی جہاں خود راہِ بہبود کے مسافر ہیں وہیں وہ دوسرے شعرا کو بھی حق سچ کے رستے پر چلنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ۔

چمن میں تلخیاں ہی تلخیاں نفرت ہی نفرت ہے
لکھو کویو بہاروں کو وفا اور پیار کی چٹھی

ہو گی یقیناً روشنی تُو دِل جلا کے دیکھ
دیپک کو ڈھک رہی ہے جو چادر ہٹا کے دیکھ

ملیں گی اِن پرندوں کی دُعائیں رات دِن تم کو
جب اپنی ٹہنیوں پر گھونسلے اِن کے سجاؤ گے

جندر پردیسی غزل کے روایتی رنگ سے بھی پوری طرح واقف ہیں۔ اِن کے روایتی رنگ کے اشعار پڑھ کر بھی ویسا ہی مزا آتا ہے جیسا اِن کے جدید رنگ کے اشعار پڑھ کر۔ آیئے اِن کے کچھ شعر ملاحظہ کریں ۔

شبنم کے قطرے پر جھک کر اِک دُوجے کی صوُرت تکنا
پھر خود ہی درپن ہو جانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

جُسن کے دِل نشیں نظاروں میں
عشق کا بھی کمال ہوتا ہے

تیرے جیسا رنگ نہیں ہے رنگوں کی بستی میں

سب لوگوں نے رنگ اپنائے نیلے لال ہرے
ہزاروں جگنوؤں کی روشنی ہی پھیل جاتی تھی
وہ جب گھونگھٹ اُٹھاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا
ہنسنا عجیب آپ کا خاموشی بھی عجیب
دیکھوں کہاں وہ آپ کا جاہ و جلال میں

اور پھر راجندر پردیسی اپنا وطن چھوڑ کر پردیس جانے والوں کے لئے درد بھرا پیغام بھی دیتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں:

پردیس کو چلے ہو اپنا خیال رکھنا
گتی مان ذہن میں بس یادوں کی چال رکھنا
جس کا کوئی رنگ نہ ہو نہ کوئی تعبیر ہو
ایسا سپنا ہو نہ جانا یہ مری تاکید ہے

دورِ حاضر کے معاشرے میں انسانی رشتوں کے دامن تار تار ہو چکے ہیں۔ ایک دوسرے پر یقین کرنا ایک خواب ہو کر رہ گیا ہے۔ ایسی حالت میں ایک حساس شاعر کا متاثر ہونا قدرتی ہے۔ لاکھ چاہنے پر بھی اُس سے سچی بات کہے بغیر رہا نہیں جاتا۔ راجندر پردیسی اپنے ذاتی دُکھ درد کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

نمک سبھی نے چھڑکا مرہم کی جا پر
جس جس کو بھی زخم دکھاتے آئے ہیں
چنتاؤں کے کارن نیند نہیں آتی
ویسے تو اس گھر میں ہے آرام بہت

اور راجندر پردیسی سے ہم وداع لیتے ہوئے یہ شعر پیش کرتے ہیں۔

ہماری پریت کی سیپی ہمارے پیار کے موتی
چلے ہو یوں ہی بکھرا کر چلو اچھا خُدا حافظ

راجندر پردیسی کو غزل کے عروض پر پوری دسترس حاصل ہے۔ بحور پر پوری پکڑ ہے اور موضوع کو الفاظ کی پوشاک پہنانا خوب آتا ہے۔ اِن کی زبان آسان۔ پُر اثر پر معنی ہے۔ اس لئے اِن کی غزلیں۔ نظمیں اور گیت وقت کے ہم عمر ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ قاری اِن کی غزلوں نظموں اور گیتوں کو پسند فرمائیں گے۔

راجندر پردیسی جی کی شاعری کا ایک اہم حاصل یہ ہے کہ اُن کو پرنسپل تخت سنگھ غزل ایوارڈ سے نوازہ گیا اس سلسلے میں ساہت سبھا جگراؤں کی جانب سے جو تقریب منعقد کی گئی اس میں میں نے راجندر پردیسی کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں جو کلام پیش کیا وہ بھی اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتا ہوں۔

معطر ہے ادب کے پھولوں سے گلزار پردیسی
عنون باغبانی کا چہیتا یار پردیسی
پتا ترلوک سنگھ ماتا شری اقبال کے گھر میں
انہیں شاخوں پہ خندہ زن ہوا گلنار پردیسی
ہے سکھویندر بہت ممنون و نازاں ہم سفر ہو کر
کیونکہ ہے سیاہ تل کے لئے رُخسار پردیسی
تیجندر ہے فنِ رنگ ریزی کا اِک جزو اعلےٰ تر
جو گھر کے واسطے ثابت ہوا غفار پردیسی
بہت پیاری ہے بیٹی رچن جیت بھوجوت بیٹی بھی
یہ پودھے تلسی کے آنگن کا ہیں شنگار پردیسی

سُریلی کوکلا معلوم ہوتی ہے رچو اپنی
یہ گائے جب بھی کوئی گیت یا ملہار پردیسی
نبھائے میکدے میں یوں عجب کردار پردیسی
کبھی پیر مغاں ہے تو کبھی ہے خمار پردیسی
یہ اکھر کھر تنہائی یہ اُدریویں دی بکل میں
تبسم ریز ہیں تیرے سبھی اشعار پردیسی
یہ پیڑ ہے گنگی رُت دی تے اُداس ہے یہ تیرا نغمہ
نظر آتا ہے جن میں خواب کا معمار پردیسی
یہ سارے رنگ سمندروں پار دے اور پھر خُدا حافظ
ہوا ہے غم زدوں کا اس طرح غم خوار پردیسی
یہ اس کی منفرد فطرت کے دو پہلو عیاں دیکھو
کبھی پھولوں سے بھی نازک کبھی ہے خار پردیسی
چھپاتا ہی نہیں خود کو کبھی لفظوں کے پردے میں
ہے شارق آئینے سا صاحب کردار پردیسی
نشست الفاظ کی ایسی کہ بس خوشبو بکھر جائے
کہ ہے ایسا ہی لفظ و معنی کا عطار پردیسی
غزل کو اس طرح پہنائے تو تشبیہات کے زیور
تری دُلہن ہی لگنے لگتی ہے ہر بار پردیسی
خُدا نے اس کی قسمت میں بھی لکھ دی ہے زباں دانی
زباں دانی جو ہے اشعار کا شنگار پردیسی

بہت جدّت مضامیں میں کنائے استعارے میں
ہے تیری پیش کاری بھی بڑی دم دار پردیسی
نشہ آور یہ تیرے گیت سامع کی پسند اول
یہ سُرے تال سے کرتے جو ہیں سرشار پردیسی
تخیل نے تجھے بخشی ہے دولت بھی خیالوں کی
بنایا ہے قلم نے ہی تجھے زردار پردیسی
یہ تیرے خون کی پاکیزگی کی ہی کرامت ہے
کبھی محسن کا تو بھولا نہیں اپکار پردیسی
ہماری ہے دُعا اللہ کی رحمت تجھ پر یوں برسے
کہ مثل خلد ہوں گھر کے در دیوار پردیسی
بزرگوں کی دُعاؤں کے سبھی الفاظ کہتے ہیں
رہے مسرور اور شاداں تیرا پریوار پردیسی
وسیع تر دوستوں کا دائرہ ہے فخر کے قابل
مجھے بھی فخر ہے پنچھی کہ میرا یار پردیسی

سردار پنچھی

غزلیں

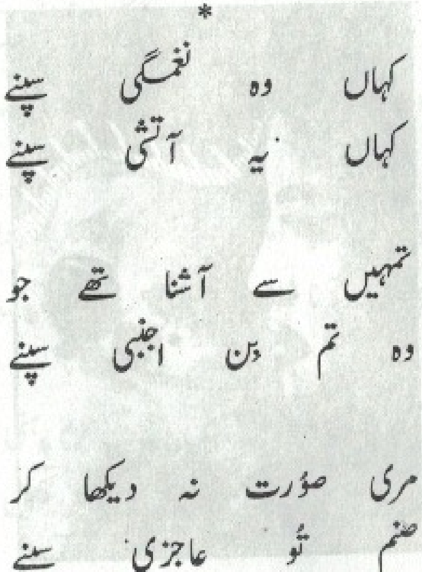

*

کہاں وہ نغمگی سپنے
کہاں یہ آتشی سپنے

تمہیں سے آشنا تھے جو
وہ تم بن اجنبی سپنے

مری صوُرت نہ دیکھا کر
صنم تُو عاجزی سپنے

حضور اب ہو گئے سپنا
وہ اپنے باہمی سپنے

نہیں آتے یہ جیون بھر
منورم شبنمی سپنے

بدن کب تک تپاؤ گے
جلا کر مخملی سپنے

اُڑا دی نیند سپنوں کی
کریں گے خودکشی سپنے

وہ موسم ہی کہاں ہے اب
مچا دیں کھلبلی سپنے

تُو کس سے مل کے پردیسی
سجا لی زندگی سپنے

*

پل میں رُوٹھنا اور منانا چاروں دِنوں کی باتیں تھیں بس
اِن سے مِل کر رنگ جمانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

پورن ماشی ہو یا اماوس تلخی ہو یا سرد ہوائیں
ہر پل چھت پر آنا جانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

وحشت کی دُنیا میں اکثر ہوش و خرد کہاں رہتی ہے
اُلفت کو فردوس بتانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

بے مطلب کی باتیں کرنا بے مطلب کی باتیں سُنتا
باتوں باتوں میں بل کھانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

راتیں تھک جاتی تھیں لیکن باتیں ختم نہیں ہوتی تھیں
راتوں سے مانوس ہو جانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

شبنم کے قطرے پر جھک کر اِک دُوجے کی صورت تکنا
پھر خود ہی درپن ہو جانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

پردیسی معلوم نہیں تھا اجر امر ہے کون جہاں میں
وہ اُلفت کے نغمے گانا چار دِنوں کی باتیں تھیں بس

*

سمندر پار کی چٹھی یہ میرے یار کی چٹھی
ہے آئی پھوٹ کر روتی دہاڑیں مارتی چٹھی

ہے کاغذ جل کے بھی پتلا اور ننگے شبد ہیں اس کے
لکھا کر مت ہرے یارا تُو بے کردار کی چٹھی

تری چارہ گری کی اب ضرورت ہی نہیں اِس کو
نہ پہنچی ہے نہ پہنچے گی تیرے بیمار کی چٹھی

ہماری پریت کے گھر میں نہ گاڑو سہہ کا تکا
یہ اِس سرکار کو آئی ہے اِک فنکار کی چٹھی

بہت آتش ہے شبدوں میں نظر میں پڑ گئے چھالے
پڑھے جاتے ہیں پھر بھی ہم یہ بانکے یار کی چٹھی

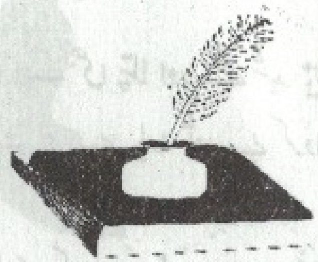

چمن میں تلخیاں ہی تلخیاں نفرت ہی نفرت ہے
لکھو کویو بہاروں کو وفا اور پیار کی چٹھی

کبھی لکھتا تھا پردیسی خطوں میں درد اُلفت کا
مگر اب جب بھی لکھتا ہے تو کاروبار کی چٹھی

*

جن باغوں میں خار اُگائے جاتے ہیں
پھولوں کے سینے دفنائے جاتے ہیں

دیوتاؤں کو نِس دِن پتھر ماریں لوگ
اور پتھروں پر پھول چڑھائے جاتے ہیں

سوچ لیا تھا تجھے پوجنے سے پہلے
عاشق سُولی پر لٹکائے جاتے ہیں

میرے گاؤں عجیب دسہرا لگتا ہے
جس میں لوگو رام جلائے جاتے ہیں

چاہے جتنے وعدے کر سرکار مری
وعدے کون سے سچ نبھائے جاتے ہیں

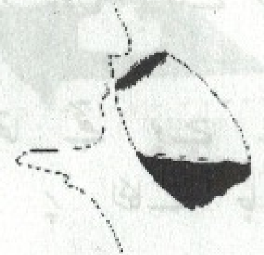

بھوکھوں کی آواز سُنائی دے کیسے
راج بھون میں ڈھول بجائے جاتے ہیں

لکھ دو عرضی موت ہیت پردیسی جی
موت کے بعد شرادھ کرئے جاتے ہیں

*

پھولوں کو پتھر لکھتے ہو
ایسا تم کیونکر لکھتے ہو

جان نکالے جاتے ہو اور
جان سے ہو بڑھ کر لکھتے ہو

اجگر کو لکھتے ہو رسّی
رسّی کو اجگر لکھتے ہو

روشن ہے یہ حُسن کی دُنیا
تُم جس کو اخگر لکھتے ہو

سب پڑھنے والے شرمائیں
تم جو بھی اکھشر لکھتے ہو

پڑھتے ہیں رو رو دیوانے
غزلیں جو ہنس کر لکھتے ہو

*

جس کی رُوح اور جسم ہے مسجد
اُس کو بھی مُنکر لکھتے ہو

اندھیارے زنداں کے در ہیں
تُم جن کو اختر لکھتے ہو

دِل کے قاتل کو پردیسی
ناداں ہو دلبر لکھتے ہو

*

یادوں کے خنجروں سے دِل کو حلال کرنا
سیکھے ہمیں سے کوئی ایسا کمال کرنا

تیرے نگر نے ہم کو یہ روگ ہے لگایا
خوشیوں کا خون کر کے غم کو نہال کرنا

فرصت کا زہر پینا دینا سکون دِل کو
خوابوں خیالوں میں ہی اُن سے وِصال کرنا

میرے لئے ہے جانم یہ جُوٹے شیر لانا
تیرے نگر میں رہ کر تیرا خیال کرنا

ہے یاد تیرا بے بس خاموش دیکھنا وہ
وہ ڈوبتی نظر کا ورجت سوال کرنا

سرسوں کے پاس تیرا وہ کھل کھلا کر ہنسنا
گیہوں کے کھیت کا وہ ہائے بوال کرنا

پردیسی عشق میں بس ہوتا ہے یہ کرشمہ
ہنسی لٹا لٹا کر خود کو کنگال کرنا

*

زمانہ ہے پتھر ہے پتھر خُدا
یہ سنگِ دِل ہیں اِن سے ہے کیسا گلہ

کبھی دِل لگانا ہنسانا کبھی
محبت کا اِتنا سا ہے فلسفہ

قدم در قدم تُو نے کھائے فریب
نہ سمجھا نہ سمجھا یہ دِل بانورا

میں بجلی کی صورت ہوں چمکا حضور
اندھیرے گھروں کو ہے روشن کیا

ہمیں تو بھلائے نہ مُولا کبھی
تمہیں کو ہی سپنا لگے دلبرا

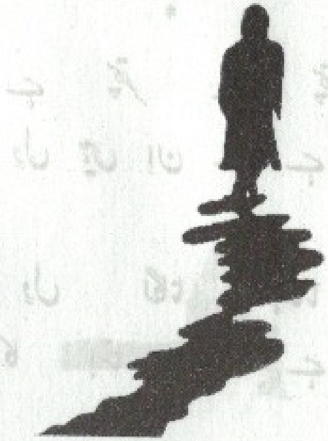

حقیقت سے پردہ اُٹھائے فجر
اندھیرا ہے لیتا بہت کچھ چھپا

بڑھاتا رہا پھر بھی آگے قدم
قدم چاہے اپنا کھسکتا رہا

خفا حُسن ہو گا ہمارے لئے
زمانہ یہ دیکھے گا اب معجزا

وہ پیتا رہا جیسے کہ ہو شراب
یہ پردیسی بچپن سے ہر حادثہ

*

آندھی طوفاں اور تباہی باڑھ کی لایا ساون
کچھ لوگوں کو ہے رب پھر بھی کتنا بھایا ساون

لاکھوں پنچھی بے گھر ہو گئے اِتنے شجر اُکھاڑے
پھر بھی یہ ست رنگے جھولے تیری مایا ساون

رات بھیانک من کے جگنو ہر پل جلتے بجھتے
ہمرا گھونٹ بھرے گا اتنا پیاسہ آیا ساون

چھتری والے پہنچ گئے گھر سیس سلامت لے کر
ہم نے ننگے سر پر ادلوں سنگ منایا ساون

بھیگی بھیگی پلکوں والی کے دِل سے بھی پوچھو
جس نے بیٹھ منڈیروں پر چُپ چاپ بتایا ساون

تیری نگری جیسا بھی ہو اپنے آنگن میں تو
زخمی بادل زخمی بارش لے کے آیا ساون

سپنوں کے گھر ڈھیری کر کے کیوں نہ جشن منائیں
تعریفیں کر کر کے کویوں نے بہکایا ساون

حیرت کی آغوش میں ساون کے وارث ہیں سب کے
کس کے ساتھ سگائی کس کے ساتھ بیاہا ساون

ریگستان کا رستہ ہی نہ ختم ہوا پردیسی
چلتے چلتے تیرے کو ترپینوا آیا ساون

*

حُسن ہے نہ پیار دلبر اِن دِنوں
زندگی دشوار دِلبر اِن دنوں

رونے اور ہنسنے پہ ہیں پابندیاں
اپنی ہے سرکار دلبر اِن دنوں

دُنیا بھر کے زخم ہم پرواز ہیں
آسماں سے پیار دلبران دِنوں

خون گیتوں کا ہے پیتی صبح و شام
خوش بہت تلوار دلبر اِن دنوں

درد کے دیوار و در آہوں کی چھت
برملا گھر بار دلبر اِن دنوں

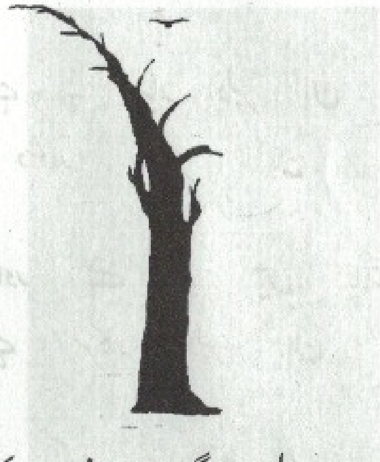

کر ہی لیں گی خواہشیں بھی خودکشی
موت پُر اسرار دلبر اِن دنوں

دِل کی باتیں کہنے کو کھولے زباں
کس کو اختیار دِلبر اِن دنوں

رات دِن ڈر زندگی کو موت کا
موت کو ہنکار دِلبر اِن دنوں

کون پردیسی کرے تیرا یقین
کیا تیرا اعتبار دِلبر اِن دنوں

*

حادثوں کی بھیڑ تھی ایک اکیلی جان
ہنستے ہنستے بن گئے دردوں کے سلطان

پنچھی لے کر اُڑ گئے دانوں کا انودان
خالی خالی روح پھر پھر جاں بیابان

کالے بادل لائے ہیں ساتھ گھٹا گھنگھور
تیرے چہرے کی طرح گیا چھپ دِن مان

تُو روُٹھی تو روُٹھ گئی دھند میں لپٹی رات
آخر کو ہم بن گئے دھوپ کی ہی پہچان

یادوں کا تندور جب ہو گیا پُورا لال
گرم کئے پھر رات بھر ٹھٹھرے سب ارمان

دُھن دُھن کر کے آتما روئی لئے بنوائے
گرم گرم سا رہے گا اب یہ ہندوستان

خواب نسیم سحر کے یوں ٹوٹے اِس بار
جیسے تارے ٹوٹتے گگن سے ہو گتی مان

موگے میں بھی پوچھتے یہ راجندر کون
کون ہے تجھ کو جانتا کیا تیری پہچان

پردیسی تو سفر کی لاکھ چھپا روداد
پیڑ اڑتالی کوس کی چہرہ کرے بیان

*

پردیس میں چلے ہو اپنا خیال رکھنا
گتی مان ذہن میں بس یادوں کی چال رکھنا

لے کے تو جا رہے ہو سپنے ہزار دِل میں
سینوں کی بھاونائیں دِل میں سنبھال رکھنا

بجھنے نہ دینا ہرگز گردش میں طوفاں میں بھی
دیپک جلائے رکھنا دِل میں جلال رکھنا

سب کچھ وہ بھول جانا جو یاد رکھنا چاہو
جو بھول جانا چاہو کچھ کچھ سنبھال رکھنا

پھسلن کا خوف نہ ہو نہ خوف گرنے کا بھی
اپنی ہی راہیں چُننا اپنی ہی چال رکھنا

اُلفت کے گیت گانا جو عمر بھر نہ بھولیں
دُنیا کی پریت اپنے گیتوں میں ڈھال رکھنا

زخموں کو پاس رکھنا دردوں کو دے وِدائی
اُن کے لئے یہ کر کے ادھبت کمال رکھنا

رکھ کے ہتھیلی پر دِل جب بھی دکھانا ہو تو
جلتے چراغ رکھنا دِل کو سنبھال رکھنا

جلنے کا ہے مزا تب جب کوئی ہو جلاتا
پردیسی عشق میں یہ جلتے سوال رکھنا

*

جگر جس کا وِشال ہوتا ہے
اُس کا جیون کمال ہوتا ہے

ڈھونڈنا ہو جو عشق کو تھل میں
کس کو اپنا خیال ہوتا ہے

کہنے لگتے تو ہیں مگر اُن سے
کہہ نہ دِل کا حوال ہوتا ہے

لاکھ کوشش تُو کر یہاں اے دِل
چال بازوں کا مال ہوتا ہے

غم کے ماروں کو دے ہزار خوشی
کب وہ موسم دیال ہوتا ہے

حُسن کے دِل نشیں نظاروں میں
عشق کا بھی کمال ہوتا ہے

اُتنی شہرت نہ عشق میں ہو گی
جتنا جینا محال ہوتا ہے

جو بھی راتیں ہیں پوچھتی ہم سے
وہ بھی دِن کا سوال ہوتا ہے

ہم کو وہ کب مِلے گا پردیسی
جس کے رُخ پر جلال ہوتا ہے

خدا حافظ

*

لکھ سکے گر وِیرانگنوں کے گیت لکھ
قتل ہوتی دھڑکنوں کے گیت لکھ

پھونک دیں گی تن بدن میں گرمیاں
بھیگی بھیگی سردیوں کے گیت لکھ

ڈوب جاتے ہیں جو پشچم میں صنم
تو نہ ایسے سورجوں کے گیت لکھ

حُسن کی پُوجا کی بھی لکھ آرتی
عشق میں بھی دِل جلوں کے گیت لکھ

جن میں خوشبو تھی کبھی دلدار کی
اب اُن سونی وادیوں کے گیت لکھ

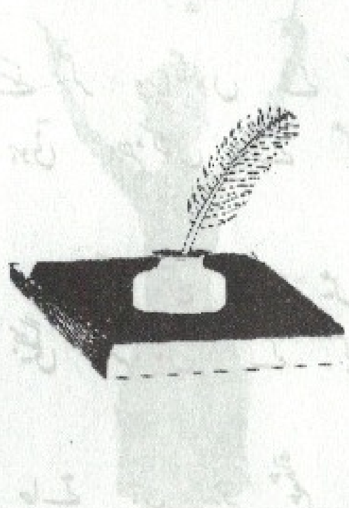

جو کبھی لکھ لکھ کے اُس نے تھے دیے
آتشی اُن کاغذوں کے گیت لکھ

باغ سارا چُوس کر جو اُڑ گئیں
اب تو ایسی طوطیوں کے گیت لکھ

مرثیے بھی لکھنے پڑتے ہیں کبھی
ہاں کبھی تو شادیوں کے گیت لکھ

درد پردیسی کو دے کر عمر کا
کہہ رہے ہو مت غموں کا گیت لکھ

*

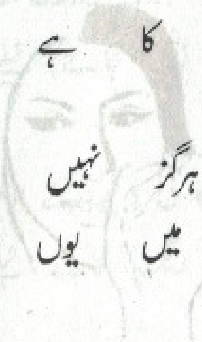

عشق میرے کا دیوتا ہونا
حُسن تیرے کا ہے خُدا ہونا

مجھ سے ہرگز نہیں بھلا ہونا
تیرا ساون میں یوں جُدا ہونا

تجھ کو غزلوں سا ہی بنائے ہیں
تیرا اِتنا سا سانولا ہونا

تیری محفل میں ہم تو آئیں گے
پاس تجھ سے نہیں بٹھا ہونا

قسم تیری جفا کی کھاتے ہیں
ہم سے اب بھی نہیں گِلہ ہونا

*

جانِ من جان ہی نہ لے لے کہیں
ایسے ہر پل تیرا خفا ہونا

جب بھی آئی بہار گلشن میں
اپنا کوئی نہیں پتہ ہونا

ہجر تیرے میں ہونا تھا شاعر
چرچا میرا تھا جابجا ہونا

اُس کی طرح ہی تجھ سے پردیسی
دِل پہ پتھر نہیں سجا ہونا

*

رنگ پریوں نے پھول چرائے نیلے لال ہرے
ہم نے اپنے زخم سجائے نیلے لال ہرے

گوری موم بتیوں کی دیکھ کے ادھبت سی بینائی
سب موم بتیاں رنگ بنائے نیلے لال ہرے

یہ کیا جانے چھل جاتی ہیں رنگوں کی پرچھائیاں
کڑیوں نے سب سوٹ سلائے نیلے لال ہرے

رنگوں کی چاہت میں کتنی سولی چڑ گئی چڑیاں
گورکنوں نے خواب سجائے نیلے لال ہرے

دودھ پتھری جیسے لوگوں کو جانے کیا یہ سُوجھی
سب نے ہی شیشے لگوائے نیلے لال ہرے

بھگتوں کی صوچ میں جب سے بگلے ہو گئے شامل
بھگتوں نے چولے بنوائے نیلے لال ہرے

تیرے جیسا رنگ نہیں ہے رنگوں کی بستی میں
سب لوگوں نے رنگ اپنائے نیلے لال ہرے

رنگوں کی خاطرداری میں عمر بتا دی ساری
میں نے تو بس بیر بہائے نیلے لال ہرے

پردیسی اس شہر میں لوگوں کے دِل تو ہیں کالے
اور مکھوٹے ہیں لگوائے نیلے لال ہرے

*

کبھی دِل پہ برسے تُو بن کے گھٹا
کبھی دیتی ہو جانم سینے جلا

محبت میں ہوتا ہے اکثر حضور
نہ اپنی خبر اور نہ دِل کا پتہ

نگاہوں کے نزدیک سانسوں سے دور
چلے گا صنم کب تلک سلسلہ

تری زُلف کا ناگ ڈس لے مجھے
چڑھے مجھ پر بھی زہر کا کچھ نشہ

چلو ایسے موسم میں کرلیں صنم
کوئی دِل نشیں خوبصورت خطا

*

کہیں ٹوٹ جائے نہ سانسوں کی ڈور
نہیں صبر اپنا تُو اور آزما

یہ کم ہوں گی پردیسی کب دُوریاں
مٹے گا یہ کب باہمی فاصلہ

*

بے خبر بے خواب تھی یہ زندگی
لوٹ کر جو لے گئی سنجیدگی

مار سکتا کون تھا اُس شخص کو
مارتی نہ گر یہ تیری سادگی

پاگلوں کی حرکتیں کرتے ہیں سب
حد سے بڑھ جاتی ہے جب دیوانگی

میں خُدا کو پُوجنے کی شکل میں
کر رہا ہوں صرف تیری بندگی

اور بڑھتا جا رہا ہے دردِ دل
کیا مسیحا ہے تیری چارہ گری

کیا کرے گا مانگ کر اب پل دو پل
کر سکا جب کچھ نہ ساری زندگی

دِل لگی پردیسی تھی بس چار دِن
عمر بھر کا ہے تماشا زندگی

*

کتنا حسین موسم کتنا اوداس ہوں میں
تو نزدِ زندگانی اور اجل کے پاس ہوں میں

تیرا سُہاگ جوڑا میرا نہ تھا مقدر
اگر کفن کے جیسا خود کا لباس ہوں میں

میرا ہے کیا بھروسہ کس وقت ٹوٹ جاؤں
پتھر کے ہاتھ ہیں سب کچ کا گلاس ہوں میں

رکھ لے گا کوئی مُجھ کو سانسوں میں اپنی بھر کے
دعویٰ نہ کر تو مجھ پہ پھولوں کی باس ہوں میں

دریا جنہیں تھا سمجھا ہوتوں کے یار نکلے
تڑپی جو مارو تھل میں سسی کی پیاس ہوں میں

داخل نہ ہو تو مجھ میں نفرت کی لے کے آندھی
شیتل سجاو نگر میں اُلفت نواس ہوں میں

پردیسی عمر بیتی ہے کڑوے موسموں میں
کڑوی حیات پی کر پھر بھی مٹھاس ہوں میں

*

اُس رات کی باتیں کر
ظُلمات کی باتیں کر

لفظوں کو دبا لیکن
جذبات کی باتیں کر

کیوں قتل ہوئے سُورج
اِس بات کی باتیں کر

زخموں کو کسک جگے
گجرات کی باتیں کر

جنگل کا راج یہاں
حالات کی باتیں کر

عصمت کو بچا کر ہی
عصمات کی باتیں کر

کوچہ ہے مریضوں کا
حکمات کی باتیں کر

ہم رام بھروسے ہیں
کلمات کی باتیں کر

کر کچھ بھی تُو پردیسی
مت رات کی باتیں کر

*

ہوگی یقیناً روشنی تو دِل جلا کے دیکھ
دیپک کو ڈھک رہی ہے جو چادر ہٹا کے دیکھ

گیتوں کے بن یہ ساز اور سازوں کے بن یہ گیت
ہوتے نہیں جواں نہیں تو آزما کے دیکھ

ایسے ہی زندگی کو نہ کانٹوں کے ساتھ جوڑ
خوشبو کی طرح دوست تو خود کو مٹا کے دیکھ

کلیوں کو ہر بشر ہی چباتا ہے شوق سے
کرنا ہے گر کمال تو کنکر چبا کے دیکھ

جائیں گے ارماں دِل کے یہ طوفاں کی طرح
سانسوں پہ اپنی جان کے طوفاں جھلا کے دیکھ

خود بندہ بن کے پاپ گر تُو نے کیا نہیں
خود کو خُدایا تو کبھی بندہ بنا کے دیکھ

دِل پر تیرے رقیب کے گُذرے گی کیا پتہ
پردیسی اپنے درد کے آنسو چھپا کے دیکھ

*

دِل کی ہی منوا رہی ہے زندگی
کیا مصیبت ڈھا رہی ہے زندگی

تیرے گھر سے دور ہوتا جاؤں ہوں
دور ہوتی جا رہی ہے زندگی

دوستی کر لی ببولوں سے تبھی
زخم ہر پل کھا رہی ہے زندگی

اب گلی تیری میں جانے کے لئے
موت کو بُلوا رہی ہے زندگی

جا بجا بھٹکے ہوا کے ساتھ ساتھ
دھول سر پہ لا رہی ہے زندگی

ڈس گئی جب سے اِسے ٹھنڈی ہوا
زہر پیتی جا رہی ہے زندگی

خود ہی پردیسی کی اپنی تپش سے
کالی ہوتی جا رہی ہے زندگی

*

نیلے پیلے لال سب دیکھے ہیں سو بار
کیا راجندر رہ گیا رنگوں کا اتبار

جی آیاں نُوں کہنے کو اب نہیں کرتا دِل
اب مہماں نوازی بھی ہو گئی کاروبار

باہر سب کو پیار کے بس لنگر بانٹے جا
اپنے اندر درد کے لگوائے لے انبار

آج تو دھندھ اُوداس ہے پھر چمکے گی دھُوپ
ٹھن جائے گی اوس اور پھولوں میں اِس بار

ماتھا ڈستے جائیں گے کب تک اُڑتے سانپ
سُن لے میرے مولہ اے سُن لے پروردگار

جوڑ کسی کے جوڑتا ٹوٹ گیا خود آپ
کرلے تُو ہمدردیاں کرلے پر اُپکار

یہاں تو سورج چاند کو لیتے گرہن دبا
تُو راجندر چیز کیا تُو کس پانی ہار

اُس نگری میں جانے کی کر بیٹھے تھے بھول
آخر بندہ ہے بھولتا بخشو بخشن ہار

جب ہم اپنا خون ہی کرتے ہیں تقسیم
پھر کیا رہنا درد تھا کیا رہنا تھا پیار

گونگی رُت نے کر دیا دم گھٹنا ماحول
خاموشی کا اِس قدر کیوں کرنا تھا وِستار

وقت سے پہلے ہو گئی خوشبو کی ہے موت
چل پردیسی باغ میں روئیں زار و زار

*

اُنہیں کو گلبدن دے دو اُنہیں کو مے کشی دے دو
مجھے بس زندگی بھر کے لئے اِک بانسری دے دو

اُٹھائے کشٹ ہیں کیا کیا قریب آنے کی چاہت میں
سفر میں جھیلی کٹھنائیوں کی اُن کو پرچیاں دے دو

نچائیں گے زمانے کو نچانا آ گیا اُن کو
تم اُن کے ہاتھ میں اک خوبصورت ڈُگڈگی دے دو

مبارک ہو تمہیں جنت یہ تم کو ہی مبارک ہے
مجھے تو پنچھیوں جیسی فقط آوارگی دے دو

مِلے ہو جب کبھی بھی تو مِلے تلوار لے کر ہی
مسلسل کہہ رہے ہو کہ مسلسل دوستی دے دو

یہی انسانیت ہو گی یہی ایمانداری بھی
یا سچی دوستی دے دو یا سچی دشمنی دے دو

اِدھر پردیسی کیسے چاندنی میں گھومنے نکلے
مجھے یہ پوچھنے والا کوئی تو اجنبی دے دو

*

چاہے اپنا آپ لُٹاتے آئے ہیں
پھر بھی یارو ساتھ نبھاتے آئے ہیں

خوشیاں بانٹے نیر چھپا کر آنکھوں میں
ہم سب کو وہ گیت سُناتے آئے ہیں

کاغذ کے پھُولوں ساجیون تھا لیکن
پھر بھی سب کو مہک لُٹاتے آئے ہیں

ہجر تیرے کا سُرخ ہوا ہے تب سے رنگ
غم کے رنگ میں ہی نہلاتے آئے ہیں

نمک سبھی نے چھڑکا مرہم کی جا پر
جس جس کو بھی زخم دکھاتے آئے ہیں

غرضوں کی چھایا تھی دردوں کے اوپر
غرض کے نیچے درد چھپاتے آئے ہیں

دِن کو روز سجاتے تھے جو سپن محل
رات کو پھانسی پر لٹکاتے آئے ہیں

قبرستان ہے واقف تب ہی پردیسی
ارماں زندہ ہی دفناتے آئے ہیں

*

کبھی وہ غمزدہ جیسے کبھی وہ خوشنما جیسے
کبھی وہ غیر کی صورت کبھی ہو اپنے سا جیسے

جو آنکھیں موند کر دیکھیں لگے تالاب شیشے کا
اُسے گر پاس سے دیکھیں ہو پربت کی گُپھا جیسے

یونہی بس درد سے ہر زخم کا کچھ فاصلہ رکھنا
مسلسل درد ہو اور زخم بھی ہو بھر گیا جیسے

تقاضہ عمر کا اور وقت کی آواز ہے دِلبر
کسی نے ان سُنی کر دی کسی نے سُن لیا جیسے

جگے ہیں عمر بھر ایسے کبھی دیکھے نہیں سپنے
مِرے مولا لگی ہو ہم کو کوئی بددُعا جیسے

کہیں کیچڑ ہی کیچڑ ہے کہیں ہیں ریت کی ندیاں
بہت ہی جان لیوا زندگی کا فلسفہ جیسے

بہت مُشکل ہے انتر ڈھونڈھنا دُشمن اور دوست میں
بغل میں بیٹھا بھی بھائی لگے نہ بھائی سا جیسے

عنایت ہو غنیمت بھی کرم یہ کر دو پردیسی
تمہارے ہم ہمارے تم نہیں ہو غیر سا جیسے

*

جس کے غم میں بھر بھر پئے تھے جام بہت
اُس کے نام کے ساتھ سُنے اب نام بہت

پہلے سو رادھاؤں کا تھا ایک شیام
اب اِک رادھا کے دیکھے ہیں شیام بہت

پھول بہت ہی کم ہیں تیرے گلشن میں
پھولوں کی صورت میں ہیں اصنام بہت

تجھ سے مل کر خوب ہوئے مشہور تھے ہم
مشہوری کے ساتھ ہوئے بدنام بہت

چنتاؤں کے کارن نیند نہیں آتی
ویسے تو اس گھر میں ہیں آرام بہت

کیسے کیسے نام دِئے اِن لوگوں نے
افسانے جو اپنے تھے بے نام بہت

۷

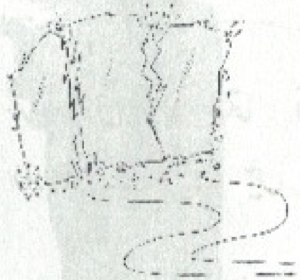

عزرائیل فرشتے رُک جا اور ذرا
اُنہیں بھیجنے ہیں ہم نے پیغام بہت

جلتے ہیں کیوں لوگ تمہاری بستی کے
دیتے ہیں کیوں لوگ ہمیں اکرام بہت

اُس پر دوش لگاتے ہو کچھ تو سوچو
خود کے بھیتر بھی تو ہیں اسقام بہت

اپنے گھر کی سمت چلو اب پردیسی
جھیل چکے اِس بستی میں الزام بہت

*

ہمیشہ یاد رکھو گے ہمیشہ مُسکراؤ گے
ہمارے ساتھ گر تم چل پڑو منزل بھی پاؤ گے

نہیں پھر روشنی بے گانی سر پر جگمگائے گی
اندھیرا ہونے سے پہلے جو گھر کو لوٹ آؤ گے

ابھی سورج کے ٹکڑے ڈھونڈتے ہو جنگلوں میں تم
ملے گی روشنی تب ہی فلک پر جب بھی جاؤ گے

پڑوسی چل پڑے ہیں دیکھ کر ہی چل پڑے یوں ہی
ادھورے بے پتے خط کی طرح واپس آ جاؤ گے

قسم ہے حُسن کی ہم کو تمہیں بھی عشق کی سوگندھ
کہو کہ پیار کا جھولا فلک پر لہاؤ گے

ملیں گی اِن پرندوں کی دُعائیں رات دِن تُم کو
جب اپنی ٹہنیوں پر گھونسلے اِن کے سجاؤ گے

ڈبویا کس طرح تھا تُم نے میری بھاوناؤں کو
پتہ چل جائے گا جب تم کبھی گنگا نہاؤ گے

خبر کیا تھی کہ اپنی پیاس کی خاطر
کبھی جمنا جلاؤ گے کبھی ستلج جلاؤ گے

یہ دیپک روشنی دیں گے مگر اِک شرط ہے میری
وفا کا تیل ڈالو گے ہتھیلی پر جلاؤ گے

بہت شہرت ہے راجندر بڑا رُتبہ ہے پردیسی
جلندھر شہر سے موگا کا کب چکّر لگاؤ گے

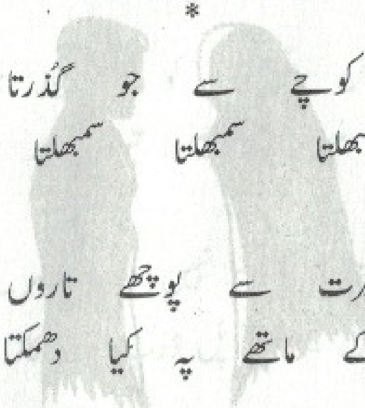

*

تیرے کوچے سے جو گذرتا ہے
وہ سمبھلتا سمبھلتا سمبھلتا ہے

چاند حیرت سے پوچھے تاروں سے
اُس کے ماتھے پہ کیا دھمکتا ہے

پارسائی نظر میں شوخی ہو
پھر یہ دِل بھی کہاں سمبھلتا ہے

بہتی آنکھوں کو کون روکے گا
من کا ساگر ہی جب اُچھلتا ہے

اُس کا چلنا ہے اور بھی آسان
جو بھی اخگر کے ساتھ چلتا ہے

کامیابی ہے پیار میں یہ اب
کون کیسے کسی کو چھلتا ہے

ایسے آہٹ ہے میرے قدموں کی
جیسے وہ ساتھ چلتا ہے

ہو نہ موتی اگر صدف میں تو
کون دریا میں پھر اُترتا ہے

فیض اُن کا ہے یہ تو پردیسی
چاند دِن میں کہاں نکلتا ہے

*

بہت دِلکش لگے ہم کو صنم بیمار ہو جانا
کہ جیسے مُوندنا آنکھیں تیرا دیدار ہو جانا

ہمیں جینے نہیں دیتا نہیں دیتا یہ مرنے بھی
تیرا آنکھوں میں ہر پل ڈوب کر ساکار ہو جانا

بہت حیران کُن ہوتے ہیں ایسی جنگ کے فتوے
کسی کا کرودھ میں آنا کسی کو پیار ہو جانا

بغاوت ہو ہی جائے گی اشارہ ہے بغاوت کا
تیرا اقرار پر آنا میرا لاچار ہو جانا

بہت روچک سا لگتا ہے سمندر عشق کا سب کو
مگر ہے ڈوبنے جیسا ہی اِس کے پار ہو جانا

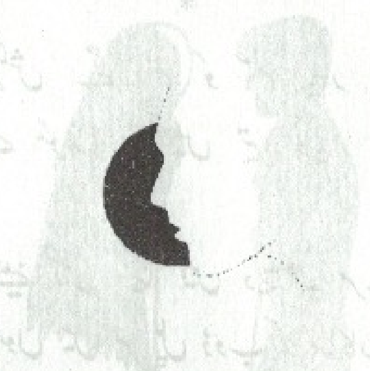

یہ موسم تلملاتا بھی نہیں لگتا ہے بے گانہ
تیرا ہنسنا مری خاموشی کا وستار ہو جانا

سمجھنا ہے بہت مُشکل اکیلے بیٹھ کر یوں ہی
کسی کا بند کمرے میں ہی یوں تکرار ہو جانا

بتاؤ دیکھا ہے تُم نے کبھی بھی اِنقلاب ایسا
وہ پھولوں کی طبیعت کا پلوں میں خار ہو جانا

تری اِس ہار کا کارن فقط اِتنا تھا پردیسی
کہ بے اِتبار لوگوں پر ترا اِتبار ہو جانا

*

پھر اُس رات کی باتیں کر
تُو بس بات کی باتیں کر

تو وِش پان سے پہلے ہی
کر سقراط کی باتیں کر

بھولی بھالی بُلبُل کے
کر نغمات کی باتیں کر

جو دھرتی کی پیاس بُجھا دے
اُس برسات کی باتیں کر

اُس کے کوچے جو گذرے
اُن لمحات کی باتیں کر

جو محفل کی زینت تھے
اُن حضرات کی باتیں کر

روٹھ گئی تھی جو ہم سے
اُس بارات کی باتیں کر

آب و ہوائیں کیوں بدلیں
اب حالات کی باتیں کر

ہے پردیس میں ہے پردیسی
بس افرات کی باتیں کر

*

کرے تیرے نگر کو کس طرح اب پیار پردیسی
بنا تلوار کے دیتے جہاں ہیں مار پردیسی

کسی کے ترس کا پاتر بنے یہ غیر ممکن ہے
تبھی تو درد کا کرتا نہیں اظہار پردیسی

یہ تلواروں کی دھاروں پہ تو چلنا ہے بہت آساں
بھلانا ہے بہت مُشکل کسی کا پیار پردیسی

کسی کی بھی دوا بوٹی اثر کرتی نہیں کوئی
مسیحا دیکھ لے آکر تیرا بیمار پردیسی

تیری اُلفت نے دی ہم کو انوکھی ہی سزا دِلبر
جگر اپنے پہ رکھ کے سوئے ہے انگار پردیسی

زمانہ یاد ہے اب بھی فجر میں ہی تو لوٹا تھا
کسی نے بھوے نینوں نے بہت ہشیار پردیسی

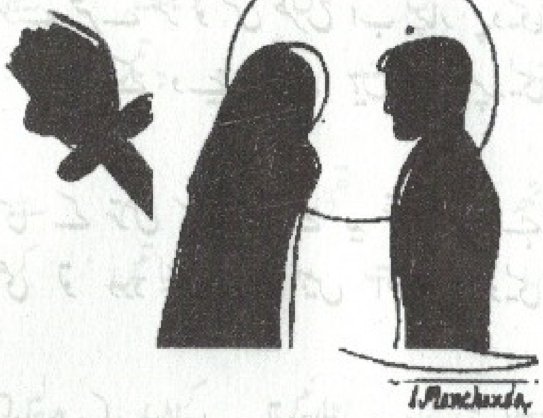

یہ تیرے عشق کا ناسُور نہ ہوتا جگر پر گر
تو اپنی موت کو بھی سکتا تھا للکار پردیسی

جو کرتے ہیں محبت اور چلاتے ہیں جو چھریاں بھی
بُرے ہیں دُشمنوں سے بھی یہ تیرے یار پردیسی

وہ آیا اور چُرا کے مُسکراہٹ چل دِیا آخر
کھلا رہتا بھی تیرا کب تلک گلزار، پردیسی

مِلا تھا ساتھ خوشبو کا یہاں تیرے کو راجندر
وہی ہیں ساتھ اب تیرے چمن کے خار پردیسی

*

وہ کہہ رہا ہے مجھے چشمِ فسوں کار ہے تُو
مِری نظر میں مگر پیکرِ پندار ہے تو

خوف کیا ہوگا مجھے خزاں کے موسم کا
مِرے چمن ہی میں جب رونقِ بہار ہے تُو

بہت لطیف ہے رشتہ ہماری اُلفت کا
میں ہوں مشتاق تیرا میرا طلبگار ہے تُو

مِرے سکُوں کی ضمانت ہے تیری عظمت ہی
کہ میرے واسطے اِک پیڑ سایہ دار ہے تُو

تِرے لبوں کا تبسم ہے میرا سرمایہ
مِرے سلامِ عقیدت کا پرستار ہے تُو

مرے وجود کے خاکے میں رنگ بھر دینا
مرا یقیں ہے کہ رنگوں کا شہسوار ہے تُو

تجھے میں بھول نہ پاؤں گا میرے پردیسی
کہ میرا چشمۂ تحریک نو بہار ہے تُو

*

شہر تیرے یہ گاؤں میرے ہیں
پھر بھی جنگل میں اپنے ڈیرے ہیں

رات بھی کیوں تسبے دیتی ہے
درد دینے کو دِن بہترے ہیں

پھر یہ پانی پہ نقش ہیں کس کے
نہ تمہارے ہیں اور نہ میرے ہیں

بدلے بدلے سے رنگ لگنے لگے
جب سے رنگوں نے ڈالے گھیرے ہیں

موت اپنی پہ بھی نہیں روئے
دیکھ اپنے بھی کتنے جیرے ہیں

کیا خبر کب ہوا میں اُڑ جائیں
خوشبو جیسے ہمارے پھیرے ہیں

چہرے مایوس آہیں ہونٹوں پر
نغمے کتنے اوداس میرے ہیں

چاندنی کو بچالے پردیسی
لُوٹنے کو کھڑے اندھیرے ہیں

جیرے = حوصلے

*

ہوا کو چیر کر راہیں بنائے جانے دے مجھ کو
مجھے تو روک مت جلوہ دکھائے جانے دے مجھ کو

نہ جائیں بُھول ہی رستہ کہیں وہ اِس اندھیرے میں
یہ اپنے خون کے دیپک جلائے جانے دے مجھ کو

مجھے سپنوں کے جیون سے تو پیاری موت ہے ہمدم
کہ جیون کے لئے سب کچھ لُٹائے جانے دے مجھ کو

مجھے ہے ناچنے کا شوق تلواروں کی دھاروں پر
کبوتر شوق میرے کے اُڑائے جانے دے مجھ کو

وہی انسان ہے غیرت کی خاطر جان جو دے دے
کہ غیرت کے لئے خود کو مٹائے جانے دے مجھ کو

ستم گر کو سزا دے ہے ستم کرنے کی پردیسی
چنے کہ ٹکڑے کانچ کے اُس کو کھلائے جانے دے مجھ کو

*

یاد آتی ہے پرانی رات بھر
بہہ رہا آنکھوں سے پانی رات بھر

پھر وہی سینے میں جاگا دردِ دل
پھر نہ آیا دِل کا جانی رات بھر

آنکھوں میں رکھتے ہیں اب سنبھال کے
اشکوں کی تیری نشانی رات بھر

جھکتی ہے سورج کے آگے صبح کو
جو بنے ہے رات رانی رات بھر

داستاں لمبی ہے پردیسی تیری
کون سُنتا ہے کہانی رات بھر

*

آنکھوں میں اشک بھر کے تم پھر مُسکراؤ گے
یُوں اُنگلیاں ستار پر جب جب چلاؤ گے

صحرا میں دفن ہو گئے اپنے تمام خواب
یہ سوچتے تھے بن کے دریا لوٹ آؤ گے

کس کو یقین تھا یہ کس کو اعتبار تھا
آؤگے آؤگے مگر مل کے نہ جاؤگے

یہ عشق یہ محبتیں اپنی یہ حسرتیں
ان جمگھٹوں میں کس کو کہاں ڈھونڈھ پاؤگے

ہر شام اپنی روشنی کرتے ہیں قتل جو
اُن کے لئے کہاں تلک دیپک جلاؤ گے

پھُولوں کی باس ہوں میں پھولوں کی باس ہوں
دعویٰ مرے پہ اِس طرح کب تک جتاؤگے

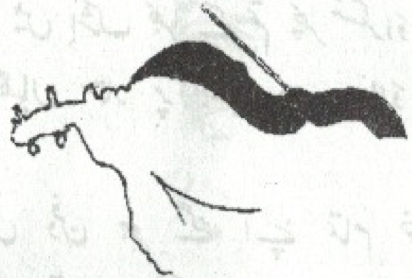

خود کے قریب ہوں نہ میں اُس کے قریب ہوں
ڈھونڈھو گے جب کبھی بھی تو خود میں ہی پاؤ گے

مانا اندھیری رات میں دیتا دکھائی کم
آنچل میں کس طرح مگر جگنو چھپاؤ گے

پردیسی چل پڑے ہو یوں پردیس کی طرف
جیسے وطن کو پھر کبھی نہ لوٹ آؤ گے

*

میں جوڑتا ہوں ہردم بے کار دِل کے ٹکڑے
تُو کر گیا ہے جب سے دِلدار دِل کے ٹکڑے

کوتا غزل یا اس کو سمجھیں حضور نغمہ
بس پیش کر رہا ہے فنکار دِل کے ٹکڑے

اِن بے زبان جذبوں کا قتل کرنے والو
کرتے ہیں قاتلوں کا اظہار دِل کے ٹکڑے

دِل دِل کا کھیل ایسا کھیلا نادانگی میں
اب ڈھونڈھتے ہیں دلبر دوچار دِل کے ٹکڑے

دل کا سکون پائیں اب کس کے پاس جا کر
کروا رہا ہے اب تو سنسار دِل کے ٹکڑے

پردیسی کیا خبر تھی پوجا بھی کرنی ہوگی
دھاریں گے میرے دل سے اوتار دِل کے ٹکڑے

عشق جو انساں کرتا ہے
لوگوں سے کب ڈرتا ہے

حُسن تیرے کا یہ جادوُ
کب تیرے پہ مرتا ہے

آنکھوں کی بس وحشت تھی
دِل اب آہیں بھرتا ہے

کہیں رقیب اب مار بھی دو
ہرن انگوری چرتا ہے

کاغذ کے ان باگھوں سے
کب پردیسی ڈرتا ہے

*

میں کیسے مان لوں یہ زندگی پیغام ہے یارو
یہاں جب زندگی جینا ہی اِک الزام ہے یارو

تمہاری روشنی پہ فخر پھر ہو گا ہمیں کیسے
گذرتی روز ہی اپنی اندھیری شام ہے یارو

رہے کچھ دوست ناواقف ہی گریاری کے فرضوں سے
تو پھر کیسے کہوں میں دوستی ناکام ہے یارو

بُرا کہیئے بھلا کہیئے ذرا سا بھی نہیں ہے غم
کسی بھی طرح سے چرچا تو اپنی عام ہے یارو

بہت سے نام رکھے ہیں اُنہیں کے آشیانوں کے
ہماری جھونپڑی تو آج بھی بے نام ہے یارو

جو ہر شب ہی میں چھلتے ہیں کسی سیتا کو پردیسی
فجر سے پوچھ لینا نام سب کا رام ہے یارو

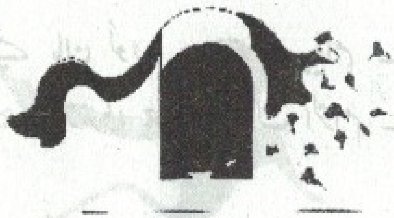

*

جو بن کے چاند چمکے تھے وہ ٹوٹے تاروں کی صورت
خلا میں بکھر کر برسے تھے وہ انگاروں کی صورت

یہ اب تو ہو گیا جیون ہے ٹوٹی چوڑیوں جیسا
کبھی ہم کھنکھناتے تھے اِسے بنجاروں کی صورت

جگر اپنے کا ہی میں نے پیا تھا خُوں حکمرانوں
سزائے موت دی تم نے مجھے ہتیاروں کی صورت

کریں وِشواس بھی کیسے دھریں دھرواس بھی کیسے
لگے اقرار یہ بھی تو اُنہیں اقراروں کی صورت

نہیں آواز پردیسی کی تیرے ہاتھ آنے کی
چلے آواز ہے اُس کی ستم پر آروں کی صورت

*

بہت سی گوری وہ راتیں بہت سی کالی وہ راتیں
جلی برہا کی آتش میں محبت والی وہ راتیں

نہیں ہے دھرتی پر تُم بن نہیں ہے آسماں پر بھی
بہت ڈھونڈھی ہیں وہ راتیں بہت ہی بھالی وہ راتیں

بتا سکتا نہیں ہوں میں یہ اب دیپک بتائیں گے
تیری اِک رات کی خاطر ہیں کتنی ٹالی وہ راتیں

جلا کر سینوں کو میں نے تپایا سرد راتوں کو
بتائیں جاگ کر تنہا مصیبت والی وہ راتیں

محبت کا صلہ دیکھو ہماری چاندنی لے کر
صنم یہ کہہ گئے ہیں اب مبارک کالی وہ راتیں

لگا جوگی کے پیچھے تھا لیا بھی جوگ پردیسی
مگر آئیں نہ میرے پاس مندری والی وہ راتیں

*

چلے ہو مجھ کو تڑپا کر چلو اچھا خُدا حافظ
غموں کے ہار پہنا کر چلو اچھا خُدا حافظ

تمہارے پاس آنے کو ستم خاروں کے جھیلے تھے
چلے ہو زخم گہرا کر چلو اچھا خُدا حافظ

ہماری پریت کی سیپی ہمارے پیار کے موتی
چلے ہو یوں ہی بکھرا کر چلو اچھا خُدا حافظ

محبت میں قسم کھائی تھی جنموں ساتھ رہنے کی
چلے ہو پھر بھی ٹھکرا کر چلو اچھا خُدا حافظ

کنارے نہر کے جو چُلّو بھر بھر کے کئے ہم نے
چلے وہ وعدے دفنا کر چلو اچھا خُدا حافظ

نہ کانٹا عمر بھر نکلے گا اپنے دِل سے پردیسی
چلے ہو جیسے بل کھا کر چلو اچھا خُدا حافظ

*

پوچھوں بھی کس سے گم گئیں غزلوں کے حال میں
دے گا جواب کون اب الجھا سوال میں

پہنا کے رکھیں بیڑیاں شب بھر میں نیند کو
سپنے وہ تیرے لغمگی رکھے سنبھال میں

اُس نے تپایا اس قدر میں بھاپ بن گیا
کھائے کسی کے عشق میں اِتنے اُبال میں

مُکھ پر نہ کالی لوئیں تھی اب کِھل رہی کپاس
گِن لے بتائے جاگ کر کتنے یہ سال میں

پلکوں کے پانیوں میں اور ہنسی کی اوٹ میں
رکھے سنبھال کر ہوں یہ تیرے خیال میں

یہ کانٹے دار بیریاں جنگلات اور ببول
سو کر بتا چکا ہوں اِن پر سو سال میں

سب زندگی کے رنگ بھی بدرنگ کر چکا
بے رنگ اِک ندی سے کر کے وِصال میں

ہنسنا عجیب آپ کا خاموشی بھی عجیب
دیکھوں کہاں وہ آپ کا جاہ و جلال میں

پردیسی اپنے گاؤں اب جاتا نہیں تُو کیوں
جب پوچھتے ہیں لوگ تو دیتا ہوں ٹال میں

*

یہ بندے سو رنگے تیرے گاؤں والے
بہت ہی بے ڈھنگے تیرے گاؤں والے

لگا جھوٹے الزام اِک دوسرے پر
کراتے تھے دنگے تیرے گاؤں والے

بہت ہی محبت سے کرتے ہیں باتیں
ہیں کچھ لوگ چنگے تیرے گاؤں والے

ہماری محبت بھی پروان چڑھتی
جو لیتے نہ پنگے تیرے گاؤں والے

خبر اچھی وہ بھی سُناتے نہیں اب
جو بندے تھے چنگے تیرے گاؤں والے

ہماری خوشی لوٹ کر بھی نہیں خوش
یہ بھوکھے یہ ننگے تیرے گاؤں والے

جلے نہ کبھی یہ کسی شمع پر بھی
یہ فرضی پتنگے تیرے گاؤں والے

نہیں جینے دیں گے یہ پردیسی کو اب
ہیں کھپتی لفنگے تیرے گاؤں والے

*

اِن کے ٹکڑے مت بنانا یہ میری تاکید ہے
ترس تم شیشوں پہ کھانا یہ میری تاکید ہے

جب کبھی مایوس ہو کر رونے کو چاہے یہ دِل
تب نہیں کاجل لگانا یہ میری تاکید ہے

ہجر کے برسوں کا دِلبر جب لگانا ہو حِساب
ضرب دینا بھول جانا یہ میری تاکید ہے

دیکھ کر سورج کو چھپتا نہ کبھی ہونا اوداس
فجر آنکھوں میں بسانا یہ میری تاکید ہے

جب ملیں دلبر تجھے بھی طنز و طعنے کے خطاب
ایسے ہی تم مُسکرانا یہ میری تاکید ہے

زندگی میں زلزلے تو آئیں گے بن کر رفیق
زلزلہ بن ہی نہ جانا یہ میری تاکید ہے

جس کو گا کر زندگی کے ساز سب لرزاں رہیں
گیت تم ایسا نہ گانا یہ میری تاکید ہے

جس کا کوئی رنگ نہ ہو نہ کوئی تعبیر ہو
ایسا سپنا ہو نہ جانا یہ میری تاکید ہے

پہلے سُن لے پنچھیوں کا رونا گانا اے صنم
پھر چمن میں مُسکرانا یہ میری تاکید ہے

شہر پردیسی سے جانے والی اے بادِصبا
جانا جا کے لوٹ آنا یہ میری تاکید ہے

*

بہت ہنستے ہنساتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا
وفا کے گیت گاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

چھپا کر بھیگی پلکوں کو جیئے ہی جا رہے ہیں اب
نگاہوں کو نچاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

ہزاروں جگنوؤں کی روشنی ہی پھیل جاتی تھی
وہ جب گھونگھٹ اُٹھاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

بدن اپنا بھی خاروں کے حوالے کر دیا اب تو
گلے کلیاں لگاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

کسی کی پیاس بھی ہم اب بُجھا دیں غیر ممکن ہے
کہ جب دریا بہاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

سے پر لوٹنا ہو گا گھروں کو یاد کرتے ہی
اُسی پل بھول جاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

*

صنم اب تیرے کوچے میں قدم رکھنے سے ڈرتے ہیں
وہاں جب گیت گاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

نہیں آئیں گے ملنے اُن سے اب ہرگز نہ آئیں گے
اُنہیں جب ہم ستاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

ہمیں گیتوں کے آنسو پونچھنے سے اب نہیں فرصت
صنم سنگ گیت گاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

نکل جاتے تھے کہہ کے ست سری اکال وہ آگے
نمستے ہم بلاتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

پڑے ہیں خامشی کی گود میں اب تو وہ پردیسی
وہ جب باتیں سُناتے تھے زمانہ اور ہوتا تھا

*

طوطی بولے سرکارے دربارے میاں جی
چھوڑ رہے ہو اِسی لئے پھُنکارے میاں جی

خوشبوؤں کے بدلے زہر فضا میں بھرتے ہو
پھر بھی بنتے ہو سچے بنجارے میاں جی

کرتے ہو جو اُدھر وہ تو بتلانے یوگ نہیں
کیسے اِدھر بھی جاتے ہو ستکارے میاں جی

دیتے ہیں ہم داد تمہاری پُشت پناہی کی
کھلے عام ہیں گھوم رہے ہتیارے میاں جی

اِس راج میں ساتھ ساتھ ہیں رکھشک اور بھکشک
دِن میں ہی دِکھلا دیتے ہیں تارے میاں جی

بھیڑ میں جانے سے پہلے ہی سوچ لیا کرنا
بھیڑ میں دوست نہیں ہوتے ہیں سارے میاں جی

کیا کیا راز چھپائے پھرتے ہیں بیماروں سے
بتلا دیں ہیں چارہ گر کے چارے میاں جی

اپنی ماں کے دودھ میں گر تم کانجی گھولو گے
نگری نگری جاؤ گے پھٹکارے میاں جی

وطن نواسی سب کے سب دلدار نہیں ہیں گر
سب پردیسی کب ہیں بے اتبارے میاں جی

*

ہو بدمزاج موسم ہرگز جلا نہ دیپک
اب رات ہے اندھیری اب تو بجھا نہ دیپک

تجھ سے نہیں گلہ کچھ اس سلسلے میں اپنا
طوفان میں کسی سے ہوں گے جلا نہ دیپک

سب کچھ اندھیرے میں ہی کر ڈھونڈھنے کی کوشش
برباد کر نہ دیدے ایسے جلا نہ دیپک

مانا کہ شوق تیرا دیپک جلانے کا ہے
یہ موم کا ہے کمرہ اس میں جلا نہ دیپک

انصاف مانگنے پر ہوگی اندھیر گردی
موسم ہے آندھیوں کا چھت پر جلا نہ دیپک

عاجز تھا جیتے جی ہی وہ دفن ہو چکا ہے
دِل کی منڈیر پر اب ہرگز جلا نہ دِیپک

اب خودکشی کریں گے یہ روشنی کے عاشق
نم ہے دِیا سلائی اِس سے جلا نہ دیپک

انہوں نے ہی جلایا تھا دِل کا آشیانہ
پردیسی دِل کے در پہ تُو پھر جلا نہ دِیپک

*

یہاں سچ کہنے سے جو بھی کنارا کرتے ہیں شاعر
وہ اپنی جھولیں ن حاکموں سے بھرتے ہیں شاعر

ٹکاتے ہیں جو سر اپنے قلم کی ہی ہتھیلی پر
وہ لکھتے ہیں امر نظمیں کہاں وہ مرتے ہیں شاعر

محبت کی غزل پڑھ کر وطن کے گیت گا گا کر
یقیناً ڈوب کر کنویں میں آخر مرتے ہیں شاعر

یہ شاعر ہیں یہ اونچے ہیں بہت دلّی کے تختوں سے
دِلوں کے تخت ہی جتیں حکومت ہرتے ہیں شاعر

لہو کے داغ پھولوں پر بھی ان کو دیکھنے ہوں گے
فقط جو تتلیوں کی شاعری ہی کرتے ہیں شاعر

پکڑ انگار لکھنی پڑ گئی آتش سی جب رُکوتا
سمندر آگ کا بھی پار کیسے کرتے ہیں شاعر

تیری بانی کو پڑھ کر بھی تُو خود ہی دیکھ ہے نانک
انعاموں کے لئے حاکم کا پانی بھرتے ہیں شاعر

وہ کرتے راج ہیں محنت کشوں کے دِل پہ پردیسی
جو اپنی شاعری سے زخم اُن کے بھرتے ہیں شاعر

*

اُڑتے پنچھی کا ٹھکانا یہ نہیں تو وہ سہی
آ گیا کیسا زمانہ یہ نہیں تو وہ سہی

وہ نہ وعدے وہ نہ قسمیں وہ نہ زیست ہی کی پریت
اب پلوں کا ہے یارانہ یہ نہیں تو وہ سہی

حُسن کی پوجا رہی نہ عشق ہی مندر ہے اب
پریت کا اِتنا فسانہ یہ نہیں تو وہ سہی

کون لیتا ہے فقیری کان چھدواتا ہے کون
عاشقوں کا آشیانہ یہ نہیں تو وہ سہی

وہ نہ رانجھے وہ نہ ہیریں اب نہیں وہ چوریاں
کیفوں میں ملنا ملانا یہ نہیں تو وہ سہی

کس طرح سمجھائے صحرا کیسے سمجھائے جناب
حُسن کا اب دِل لگانا یہ نہیں تو وہ سہی

کون روٹھے کو منائے کون ہے اب منتظر
اب تو بس ڈھونڈیں بہانہ یہ نہیں تو وہ سہی

صُبح کا سُورج کرے ہے فرش کی بوسہ زنی
ہے محبت والہانہ یہ نہیں تو وہ سہی

یوں ہی پردیسی تو ساری عمر ہی چلتا رہا
تُو نہ سمجھا دِل لگانا یہ نہیں تو وہ سہی

*

دُور ہے یا قریب ہے مولہ
اپنا اپنا نصیب ہے مولہ

عجب ہے جو عذاب دیتا ہے
وہ بھی اپنا حبیب ہے مولہ

حُسن کی ہی رہے گی تابانی
عشق خاطر صلیب ہے مولہ

برق لے کر ہی ابر آتے ہیں
رات کتنی مہیب ہے مولہ

زخمِ امروز کو سمجھتا نہیں
یہ بھی کیسا طبیب ہے مولہ

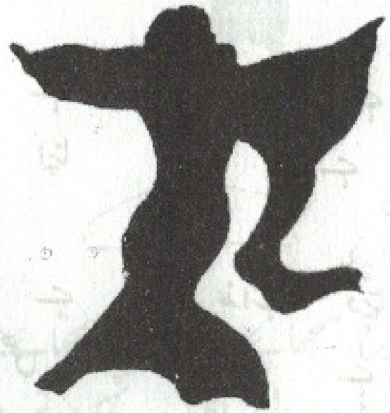

دیکھوں خود کو دکھائے ہے اُس کو
میرا درپن رقیب ہے مولہ

راہِ حق پر چلیں گے ہم پھر بھی
راہ میں گر صلیب ہے مولہ

ہم کو لُوٹیں جو تیرے ہی گھر میں
تو بھی اُن کے قریب ہے مولہ

اپنے گھر میں بھی ہوں میں پردیسی
میری حالت عجیب ہے مولہ

گیت

باجو پہ لکھائی پھروں نام

مھارے دِل کی اُمنگ
ہمیں کرتی ہے تنگ
تھارے ہاتھ میں ہے ڈور
ٹوٹ نہ جائے کہ پتنگ
آئے در پہ اُپاشکوں کو تھام سجنا
تھارا باجو پہ لکھائی پھروں نام سجنا

رات چاندنی اب ہم مر مر جائیں
کبھی اپنی ہی چھاؤں سے ہیں ڈر ڈر جائیں

کہدے کان میں تو ہاں میرے شیام سجنا
تھارا باجو پہ لکھائی پھروں نام سجنا

تیری ہنسی کی سوگندھ تو ہے کرتے ہیں پیار
تھارے پیار نے ہے کیا مھارا جینا دشوار
کہیں دے نہ جدائی ''بولو رام'' سجنا
تھارا باجو پہ لکھائی پھروں نام سجنا

مھارا حال چال پوچھ کبھی مھارے پاس آکے
ہاتھ جوڑتے ہیں لال لال چوڑی کھنکا کے
کہیں چوڑیاں کلائی مھاری تھام سجنا
تھارا باجو پہ لکھائی پھروں نام سجنا

مھاری نازک سی جان ہمیں اور نہ ستا
پاس بیٹھ ''پردیسی'' بات دِل کی سُنا
چھوڑے گھر کے سبھی ہی میں نے کام سجنا
تھارا باجو پہ لکھائی پھیروں نام سجنا

مھارے دِل کی اُمنگ
ہمیں کرتی ہے تنگ
تھارے ہاتھ میں ہے ڈور
ٹوٹ جائے نہ پتنگ
آئے در پہ اپاشکوں کو تھام سجنا
تھارا باجو پہ لکھائی پھروں نام سجنا

تھارا روپ بلّے بلّے یہ سنگار بلّے بلّے

تھارا روپ بلّے بلّے یہ سنگار بلّے بلّے
تیکھی کجرارے نینوں کی کٹار بلّے بلّے

بھیگے کھیت میں جو پیر تو نکائے بلّے بلّے
پھولو سرسوں کے خوب نشیائے بلّے بلّے
ہوا کھیتوں میں عجب یہ غمار بلّے بلّے
تھارا روپ بلّے بلّے یہ سنگار بلّے بلّے

تیرے سپھل ہیں تیروں کے نشانے بلّے بلّے
ہوئے قتل بازاروں میں دیوانے بلّے بلّے
تو ہے پوچھے ناہی کوئی سرکار بلّے بلّے
تیکھی کجرارے نینوں کی کٹار بلّے بلّے

لائی بھانگڑے میں ایسا تُو طوفان بلّے بلّے
لوگ کہیں تو ہے بھانگڑے کی جان بلّے بلّے
مہارے دِل میں اُچھل گیا پیار بلّے بلّے
تھارا روپ بلّے بلّے یہ سنگار بلّے بلّے

تیرا ندی پہ دوپٹہ لہرایا بلّے بلّے
گونگے پانیوں نے گیت ایسا گایا بلّے بلّے
ابھی آر ''پردیسی'' ابھی پار بلّے بلّے
تیکھی کجرارے نینوں کی کٹار بلّے بلّے

تھارا روپ بلّے بلّے رے سنگار بلّے بلّے
تیکھی کجرارے نینوں کی کٹار بلّے بلّے

گیت کرے عرضوئی

نہ روٹھے دلدار کسی کا
نہ ہی روٹھے پیار کسی کا
کسی کا میت نہ روٹھے کوئی

یہ میرا
گیت کریں عرضوئی

یوون کی سنگیتک رُت میں
گیتوں کی ملکہ نہ رُوٹھے
سانسوں کی ہر اِک سرگم پہ
پریت کا گھنگروں ہی بس کھنکے

جس موسم میں پیار کے جھولے
رُت ساون کی سوئی

یہ میرا
گیت کریں عرضوئی

ماں کے پُتر بھی دور نہ ہوویں
ملنے سے مجبور نہ ہوویں
سسکے نہ ماؤں کی ممتا
سپنے ان کی چُور نہ ہوویں

ہر نگری ہر گھر کی یارب
ماں نہ تڑپے کوئی

یہ میرا
گیت کریں عرضوئی

کوئی باپ ایسے نہ تڑپے
نشے میں ڈوبے بیٹوں کر کے
فخر کرے باپو بیٹوں پہ
جئے تو چھاتی چوڑی کر کے
گرو کرے سب کو بتلائے
میرے پتر نہ جیسا کوئی

یہ میرا
گیت کریں عرضوئی

وچن بھائی کا بھائی نبھاویں
اِک دوجے کو گلے لگاویں
پیار کی نگری میں ہو بسیرا
سب مل جُل کر بھانگڑے پاویں
پریت کے موتی اس جیون کی
تسوی جائے پروئی

یہ میرا
گیت کریں عرضوئی

بہنوں کے گھر بھائی جائیں
اُن کے سر پر ہاتھ ٹکائیں
ہر راکھی کے اوسر پر ہی
سب مل جل کر خوشی منائیں

''پردیسی'' بھائیوں کی آویں
بہنوں کی خوشبوئی

یہ میرا
گیت کریں عرضوئی

نہ روٹھے دلدار کسی کا
نہ ہی روٹھے پیار کسی کا
کسی کا میت نہ روٹھے کوئی

یہ میرا
گیت کریں عرضوئی

رنگ بڑے بلوان

رنگ بڑے بلوان
اے جوگی
رنگ بڑے بلون
اُڑتے اُڑتے کر لیتے ہیں
مانو کی پہچان
اے جوگی
رنگ بڑے بلوان
جب رنگ اپنا رنگ جمائیں
پھول بنیں خوشبو بکھرائیں
چُنری کے رنگ ہو جاتے ہیں
خوشبو کے سُلطان
اے جوگی
رنگ بڑے بلوان

پیلے لال ہرے اور کارے
سب جیون کے رنگ ہیں پیارے

اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں
یہ دِلکش مہمان
اے جوگی
رنگ بڑے بلوان
رنگ جب آپس میں ملتے ہیں
نئے نئے پھر رنگ کھلتے ہیں
رنگوں کی ادبھُت دُنیا کی
مشکل ہے پہچان
اے جوگی
رنگ بڑے بلوان
جانے ہو یا ہوں انجانے
رنگ نہیں ہوتے بیگانے
''پردیسی'' جوان کو پوجیں
وہ ہیں پُرش مہان
اے جوگی
رنگ بڑے بلوان
رنگ بڑے بلوان
اے جوگی
رنگ بڑے بلوان

پلّا چھڑا کے نہ جا

رُک جا اور رُک جا ماہی
پلّا چھڑا کے نہ جا
میں پیاس تو صُراحی
پلّا چھڑا کے نہ جا

ہوتے ہیں دل کے کھوٹے
پلّا چھڑانے والے
رشتوں کے درد ہم نے
گر گر کے ہیں سنبھالے

تُو پیار کا ہے راہی
پلّا چھڑا کے نہ جا
میں پیاس تو صراحی
پلّا چھڑا کے نہ جا

یہ عشق وہ سمندر
جس کا نہیں کنارا
لگا پیار کی تو ڈُبکی
دریا ہے دل ہمارا

یہ عشق ہے الٰہی
پلاّ چھڑا کے نہ جا
رُک جا اور رُک جا ماہی
پلاّ چھڑا کے نہ جا

تپتے رہیں گے کب تک
جلتے رہیں گے کب تک
ہجروں کے مُر وستھل پر
تل تل مرینگے کب تک

رُک جا نہ کر تباہی
پلاّ چھڑا کے نہ جا
رُک جا اور رُک جا ماہی
پلاّ چھڑا کے نہ جا

رشتے نبھانے والے
رشتے بلند رکھنا
''پردیسی'' جھنگ دے تو
رتبے بلند رکھنا

تیری ہے شہنشاہی
پلاّ چھڑا کے نہ جا
میں پیاس تو صراحی
پلاّ چھڑا کے نہ جا

رُک جا اور رُک جا ماہی
پلاّ چھڑا کے نہ جا
میں چور تو سپاہی
پلاّ چھڑا کے نہ جا

میں پیاس تو صراحی
دامن چھڑا کے نہ جا
میں پیاس تو صراحی
پلاّ چھڑا کے نہ جا

آفت جیسا حال رے جوگی

آفت جیسا حال
اے جوگی
آفت جیسا حال
چہرے کا رنگ
جیسے بھُوتی
آنکھیں لال گُلال
رے جوگی
آفت جیسا حال
تو جنگل کا جنگل تیرا
ناگ بھی ڈالے ہوئے ہیں گھیرا
زہر پلائی گی دوزُخ کا
تیری ٹالم ٹال
رے جوگی
آفت جیسا حال
نیند کے سارے پتے کھو گئے
سپنے بھی اب سوپن ہو گئے
نہ وہ چہرہ نہ وہ مہرہ
نہ وہ رہا جلال
رے جوگی آفت جیسا حال

خون کے آنسو کلیاں روئیں
خوشبوئیں سب قید میں سوئیں
بیگانے باغوں کی کوئی
کیونکر کرے سنبھال
رے جوگی
آفت جیسا حال
اندر چھپنا باہر چھپنا
رات کو جلنا دن کو بجھنا
''پردیسی'' اس رُت کی رکھشا
کون کرے تن جال
رے جوگی
آفت جیسا حال
چہرے کا رنگ جیسے بھبوتی
آنکھیں لالم لال
رے جوگی
آفت جیسا حال

بھبوتی = راکھ

نظمیں

مجھے تو یہ معلوم تھا

مجھے تو

یہ
معلوم تھا
کہ تو نہیں مرے گی

اور
مرونگا میں بھی نہیں
کیوں کہ
ہم بزدِلوں کی
قطار میں نہیں
اپنے حق کے لئے
لڑنے والوں کی
لام میں شامل تھے
یہ تو
اُن کا بھرم تھا
کہ
کسی کو مار دینے سے
وہ ختم ہو جاتا ہے

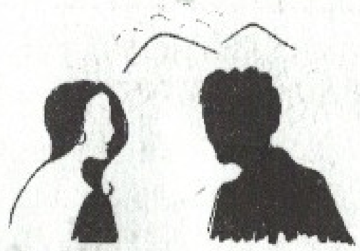

مگر
ہمیں تو
یہ معلوم تھا نا
کہ
جب کوئی پورن شجر
بن جاتا ہے
تو
اُس کو جتنا بھی چاہے
گہرا کھود کر اُکھاڑ دیا جائے
اُس کا بیج
کبھی بھی ناش نہیں ہوتا
مجھے تو
یہ معلوم تھا

اُداس نغمہ

اُلفت کا ساز چھیڑو
نغمہ اُداس ہے
نغمہ اُداس ہے کہ
کلیوں کی مہک زخمی
بھنوروں کے ہونٹ زخمی
بلبل کے گیت زخمی
کوئل کی کوک زخمی
زخمی ہے ڈالی ڈالی
خاموش پھر بھی مالی

گرے آسماں سے آنسو
ہے آہ وخُغاں ہوا میں
گلشن کے سب نشیمن
کیوں ہو رہے ہیں خالی

کسی کا شراپ ہے یہ
یہ کسی کی بدُعا ہے
خاموش ساز میں سب

سب گیت کیوں ہیں گونگے
روتا ہے آہیں بھر بھر
اُداس نغمہ میرا

اب تو ہے پانیوں پر
کھینچی لکیر سمجھو

لگتا ہے اب ہوا کو
دے کے رہینگے گانٹھیں

لگتا ہے سب یہ جھرنے
سب خودکشی کرینگے

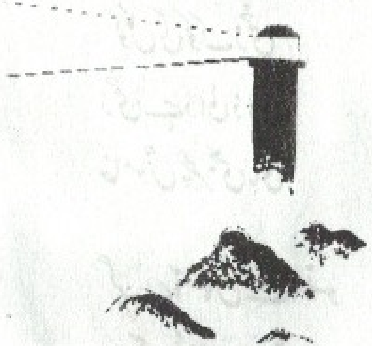

جھرنوں کو ڈر
سنگیت اب
مر جائے
ڈوب کر نہ
اور
کہاں ڈوب کر
مرے اب
میرا اُداس نغمہ

خدا حافظ

خط

میری محبوبہ
کتنے ہی برس
بیت چکے ہیں
ہمیں جُدا ہوئے
پھر بھی
تیری سانسوں سے
کچے دودھ کی خوشبو جیسا کچھ
میں اب بھی
محسوس کرتا ہوں
جب بھی میں
اپنی بیوی کے
پاس بیٹھتا ہوں
سُنا تھا
ہجر کے برس گنا نہیں کرتے
نہیں تو
اتیت میں پئے زہر کے گھونٹ
ورتمان کو کڑوا کر دیتے ہیں

مگر ہم تو
جنمے ہی
کڑواہٹوں کے لئے تھے
میری محبوبہ
یہ ضروری تو نہیں
کہ
مانس سبھی وعدے پورے کرے
معاف کرنا
میں نے جو تیرے ساتھ
تجھے بھول جانے کا
وعدہ کیا تھا نبھا نہیں سکا
پر ہاں
تو نے کہا تھا نہ شادی کر لینا
کسی اچھی سی لڑکی کے ساتھ
میں تو اب
ہاں سچ مچ میں نے
شادی کر لی ہے
تیرے جیسی
ایک اچھی سی لڑکی سے

ہاں تو
اس کا نام بھی تیرے نام کی طرح
''س''
سے ہی شروع ہوتا ہے
اور وہ
بالکل تیری طرح ہی ہنستی ہنستی
جھگڑنے لگتی ہے
یا پھر
جھگڑتی جھگڑتی ہنسنے لگتی ہے
بالکل
تیری طرح جب بھی
ہنسنے لگتی ہے
تو
ہنستی چلی جاتی ہے ہنستی چلی جاتی ہے
میری محبوبہ
مجھے تو یوں لگتا ہے
جیسے تیری رُوح
میری بیوی میں
پرویش کر گئی ہو!

الزام

چلو گر
یونی آنسوؤں کی بِتا کر
تمہاری آغوش میں میں
گر ہی گیا ہوں
خبر کچھ بھی تو
نہیں ہے ہوئی کسی کو

کوئی سازش
محبت ہو نہیں سکتی
اور میرے پیار کو
سازش ہے تو جب بھی
کھلی آنکھوں کی حقارت
کسی سپنے کو
سُولی پہ چڑھائے
کسی کی
چاندنی کے خون میں جب
نہاتی ہے رات
کالی کسی کی

مقدر سے ہی ایسا
آخری
ملتا ہے لمحہ
میرے اس
انت یہ تو
مُسکرا دے
چلو گر
یونی آنسوؤں کی بتا کر
تمہاری آغوش میں ہی
گرگیا ہوں
خبر کچھ بھی تو
نہیں ہے
ہوئی کس کو
تُو
یہ بھی سوچ
کہ میں
نہیں چکا ہوں
دامن پہ تیرے
کوئی الزام بن کے

بے۔نام رشتہ

یہ رشتوں کی بھیڑ میں
اپنے سمبندھوں کو
ہم
کس رشتے کا نام دیں
کوئی بھی تو رشتہ
پاک نہیں رہا
اس یگ میں
تم نہیں جانتی
اس سماج کے لوگ
رشتوں کو
کسی کے
سمبندھوں سے نہیں
اپنی واسناتمک
نگاہوں سے دیکھتے ہیں
تو پھر اپنے سمبندھوں کو
ماں بیٹا
بہن بھائی
عاشق معشوق

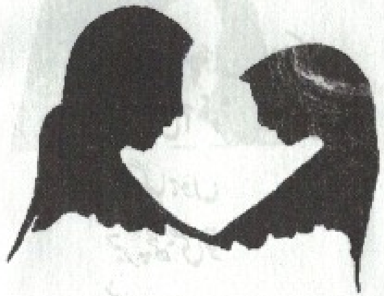

محبوب۔محبوبہ
پتی۔پتنی
یا پھر
دوستی
کس رشتے کا
نام دیں
سبھی رشتے
اس سماج کی
نظروں میں
بدنام ہیں
پر تُم
ڈرو نہیں
چلو ہم
اک دوجے کا دُکھ بانٹتے ہیں
اک دوجے کا درد سمجھتے ہیں
اک درجے کا جیون جیتے ہیں
اک دوجے کی موت مرتے ہیں
اور
اپنا رشتہ
بے۔نام رکھتے ہیں

قسم

کبھی سوچا نہ تھا میں نے
رُکونگا یوں
تیرے رُخسار پر میں
آنسوں کی بوند بن کر
اور
ایسے چپک جاؤنگا
تیرے ہونٹوں پر بن آہیں
گِلہ تیرا یہ واجب ہے
جو تھے محروم خوشبو سے
اُنہیں پھولوں کی خاطر ہی
لگایا گلے سے خاروں کو
یہ کیا
کافی نہیں اتنا
تو ریگستاں نہیں بھٹکی
میرے بھائیوں نے شرابی کر
کسی ڈاچی کی پیٹھ پر
نہیں باندھا ہے پیار اپنا
اور
اور ہمارے عشق سے کوئی

نہیں پیدا ہوا ہاشم
گلہ تیرا یہ واجب ہے
مختصر زندگی خاطر
لی لمبی موت کیوں میں نے
یہ کیا
کافی نہیں اتنا
نہ توڑے تیر تُو میرے
نہ مارے ویر میں تیر
کسی جنگل کے جنڈ نیچے
نہیں چھوڑا تیرا ٹوٹا
قسم ہے
تیرے جوڑے کی
کبھی سوچا نہ تھا میں نے
رُکونگا یوں
تیرے رُخسار پر میں
آنسوں کی بوند بن کر
اور
ایسے چپک جاؤنگا
تیرے ہونٹوں پہ بن آہیں
کبھی سوچا نہ تھا میں نے
کبھی سوچا نہ تھا میں نے